سلسلہ مطبوعات (۳۴)

قیادت کی خصوصیات

مولانا محمد تقی امینی

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

جملہ حقوق بحق فاؤنڈیشن محفوظ ہیں

نام پمفلٹ :- قیادت کی خصوصیات

مؤلف :- مولانا محمد تقی امینی

کمپوزنگ :- الممتاز کمپیوٹر آرٹ راولپنڈی

طبع اول :- مئی ۱۹۹۴ء

ناشر :- شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن
پوسٹ بکس نمبر ۳۶۳
ملتان

www.rahimia.org

باسمہ تعالیٰ

حرف اول

کسی بھی اجتماعیت کی اٹھان میں دیگر عوامل کے ساتھ قیادت کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے، کسی زوال یافتہ معاشرے میں اگر باصلاحیت اجتماعی قیادت پیدا ہوجائے تو اس معاشرے کا زوال تھم جاتا ہے اور عروج کی جانب سفر کا آغاز ہوجاتا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس ترقی یافتہ معاشرے، فاسد قیادت کے سبب زوال کی جانب لڑھکنے لگتے ہیں۔

آج ہمارے معاشرے کو جس نکبت اور ذلت کا سامنا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ باصلاحیت اجتماعی قیادت کی تشکیل کے عمل کا ٹھوس آغاز کیا جائے۔ اس قیادت میں کیا خوبیاں ہونی چاہئیں، زیر نظر پمفلٹ میں ان کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

چیئرمین

www.rahimia.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قیادت کی خصوصیات

"قائدین" چونکہ روحوں اور دلوں کی بستیاں الٹ کر ان میں ایمان و اعتقاد کی قوت بھرتے ہیں اور ذہنی و اخلاقی استعداد کی تربیت کر کے فکر و عمل کی نئی دنیا بساتے ہیں۔ اس لئے قوم کی روح اور جان دراصل یہی حضرات ہوتے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ جب تک قوم کو صحیح قیادت میسر نہ ہو اس وقت تک نہ اس کی ٹھیک تنظیم و تربیت ہو پاتی ہے اور نہ ہی وہ خلافت و نیابت کے مقدس فرائض کی بجا آوری کے قابل بنتی ہے۔

جس طرح گاڑی چلانے کیلئے جب تک تجربہ کار ڈرائیور نہ ہو اس وقت تک نہ اسٹیم (جذبات) کی طاقت منزل مقصود پر پہنچا سکتی ہے اور نہ ہی لائن (فضا) کی درستی و ہمواری کچھ مفید بنتی ہے۔

قرآن حکیم نے اس سلسلہ میں انبیاء کرام کی زندگی کا نقشہ پیش کیا ہے وہ اپنی معنویت کے لحاظ سے قیادت کے نہایت اونچے مرتبہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے یہاں ہم ان میں سے چند بنیادی باتیں بیان کرتے ہیں۔

وہ چھ ہیں:

(۱) تربیت (۲) صلاحیت (۳) فنائیت (۴) عملیت (۵) اخلاقیت (۶) قوت استدلال و بیان۔ قرآن حکیم کی روشنی میں ہر ایک کی بالترتیب تفصیل حسب ذیل ہے۔

www.rahimia.org

تربیت

دوسروں کی تربیت کرنے سے پہلے خود قائدین کی تربیت ہونی ضروری ہے

اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) کسی قائد کی قیادت میں رہ کر انسانی مزاج اور حالات کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقفیت حاصل کی ہو موقع کے لحاظ سے بعض جذبات کو دبانے اور بعض کو بروئے کار لانے کی ٹریننگ پائی ہو۔ سطح سے ہٹ کر گہرائی پر نظر ڈالنے اور تقلید و جمود کی جگہ تنقیدی شعور سے کام لینے کی مشق ہو۔ ماضی کی عظمتوں سے محض عقیدت رکھنے کی بجائے ان کی محرکات اور روح کو سمجھا ہو اور حال کی پُرفریب امیدوں میں گم ہونے کے بجائے صحیح زاویہ نگاہ متعین کرنے کا انداز سیکھا ہو، غرض اس طرح ان کی تربیت ہوئی ہو کہ ہر موقف اور ہر موڑ کو سمجھ کر صحیح راہ عمل تلاش کرسکتے ہوں۔

(۲) قائد کی قیادت تو نہ میسر آئی ہو لیکن زندگی کے حالات کچھ اس قدر مختلف گذرے ہوں کہ زمانہ خود معلم بن گیا ہو۔ گردوپیش کے ماحول نے غور و فکر کی نئی نئی راہیں پیدا کی ہوں اور ان میں قطع و برید کرکے انسانی مزاج اور اس کی ضروریات کو سمجھنے میں کامیاب ہوگئے ہوں۔ مختلف المزاج لوگوں کے ساتھ معاملت (برتاؤ) نے زندگی میں اس قدر سموئی (وسعت) پیدا کردی ہو کہ ضبط و تحمل کے ساتھ ہر مکتب خیال کے لوگوں میں کام کرسکتے ہوں اور انہیں ایک مرکز پر جمع کرسکتے ہو یعنی قدرتی طور پر ان کی ایسی تربیت ہوئی ہو کہ ذہن و دماغ کا ایک خاص سانچہ اخلاق و عمل کا ایک خاص نقشہ اور احوال و ظروف کا ایک خاص اندازہ سامنے آگیا ہو۔

انبیاء کرام کی زندگی میں تربیت کی مثالیں

تربیت کی مذکورہ دونوں صورتوں کی مثالیں انبیاء کرام کی زندگی میں بکثرت ملتی ہیں۔ بعض کی تربیت کسی دوسرے نبی کے پاس کی گئی تھی۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس مدین بھیجا گیا اور وہاں بکریاں چرانے کی ڈیوٹی

www.rahimia.org

سپرد کی گئی اور بعض کی حالات و مقامات کی مناسبت سے قدرتی طور پر کی گئی تھی۔ مثلاً یوسف علیہ السلام کو جن حالات سے دوچار ہونا پڑا اور جس قدر کڑی آزمائشوں سے انہیں گذرنا گیا وہ سب ایک خاص مقام تک پہنچانے اور قیادت کی استعداد پیدا کرنے کیلئے تھا۔

اسی طرح بالعموم انبیاء علیہم السلام کا ان حالات سے گذرنا جو عام لوگوں کو نہیں پیش آتے ہیں عمر کا کافی حصہ گذرنے کے بعد نبوت کے عہدہ سے سرفراز کیا جانا نیز نبی کے ذمہ بکریاں چرانے کی ڈیوٹی سپرد ہونا ہے (بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا

اکنت ترعی الغنم قال نعم و هل من نبی الا رعاها (مشکوۃ کتاب الاطعمه)

کیا آپ نبوت سے پہلے بکریاں چراتے تھے فرمایا "ہاں" کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔

بکریاں چرانے سے جذبات کی کیسی تربیت ہوتی ہے اور قیادت قوم کی تربیت کیلئے "رعایت شاہ" کس قدر موزوں ہے؟ اسکو وہی لوگ ٹھیک سمجھ سکتے ہیں جو بکریوں کی نفسیات سے واقف ہیں۔ یا اس کام کا انہیں کچھ تجربہ ہے) اسی طرح حضرت موسی علیہ السلام کا کتاب ملنے سے پہلے روزہ کی حالت میں کوہ طور پر رہنا حضرت عیسی علیہ السلام کا روزہ رکھ کر ایک سنسان جنگل میں عرصہ تک رہنا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (فداہ ابی و امی) کا نبوت سے پہلے غار حرامیں عزلت گزینی اختیار کرنا اور فکر و مراقبہ اور عبادت و ریاضت میں مصروف رہنا وغیرہ سب تربیت کے لئے تھا۔

یہاں اس شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ نبوت کسبی شے (محنت سے حاصل کردہ) ہے جس تک انسان تربیت کے ذریعہ پہنچ سکتا ہے یہ یقیناً وہبی شے (خداداد) ہے جس میں انسان کے قصد و ارادہ اور سعی و عمل کو کوئی دخل نہیں ہے۔ البتہ منشاء نبوت کے مطابق یہ ضروری سمجھا گیا ہے کہ وحی کی استعداد پیدا کرنے اور عملی شکل میں متشکل کرنے کے لئے مختلف قسم کی ریاضات و مجاہدات کے ذریعہ نبی کی تربیت کی جائے۔

www.rahimia.org

قرآن حکیم سے قائدین کی تربیت کا ثبوت

قائدین کی تربیت کے سلسلہ میں یہ آیت خاص اہمیت رکھتی ہے۔

و فتناک فتونا فلبثت سنین فی اھل مدین ثم جئت علی قدر یموسی و اصطنعتک لنفسی (سورہ طہ آیت ۴۰، ۴۱)

(ترجمہ) اے موسی ہم نے تمہیں ہر طرح کی حالتوں میں ڈالکر آزمایا پھر کئی برس تک تم مدین کے لوگوں میں رہے بالآخر تم ایک مقررہ اندازہ پر پورے اتر آئے پھر ہم نے تمہیں اپنے خاص کام کے لئے منتخب کرلیا۔

"علی قدر" سے ثابت ہوتا ہے کہ قیادت قوم کے لئے ایک خاص سانچہ اور اندازہ کے مطابق بننے کے بعد قدرت کی جانب سے انتخاب ہوتا ہے۔

دوسری آیت سے مذکورہ مفہوم کی اشارۃً تائید ہوتی ہے

قل لو شاء اللّٰہ ما تلوتہ علیکم و لاادریکم بہ فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ افلاتعقلون (سورۃ یونس آیت۱۶)

(ترجمہ) آپ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں تمہیں قرآن نہ سناتا اور نہ اس سے خبردار کرتا پھر اس معاملہ (نبوت) سے پہلے تم لوگوں میں ایک پوری عمر بسر کرچکا ہوں کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔

علماء اخلاق و نفسیات کا اتفاق ہے کہ انسان کے ابتدائی چالیس سال کا زمانہ اخلاق و خصائل کے بننے اور ابھرنے کا زمانہ ہوتا ہے۔ نیز جذبات کے ماہرین کی رائے ہے کہ انسانی دماغ کا نشوونما چالیس سال کی عمر میں تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔ (فلسفہ جذبات ص۴۶)

اس اصول کے مطابق رسول اکرم ﷺ چالیس سال تک لوگوں میں رہے خاص سانچہ کے مطابق آپ کی تربیت ہوئی اور خاص اندازہ کے مطابق اعمال و اخلاق کی ڈھلائی ہوئی پھر نبوت کے اعلان کا حکم ہوا۔

www.rahimia.org

صلاحیت

قائدین میں صلاحیت ان کے کام اور مقام کی مناسبت سے ہونی چاہیئے وہ دراصل روح اور دل کے طبیب ہوتے ہیں ان کا کام مزاج اور طبیعت کی اصلاح ہے ذہنیت اور زاویہ نگاہ کی تبدیلی ہے۔ اس بناء پر ان میں ایسی صلاحیت درکار ہے کہ وہ مزاج اور وقت کی اہم ضروریات کو سمجھ سکیں۔ اور تشخیص و تجویز کے مراحل طے کر کے باقاعدہ تربیت کے ذریعہ انسان کو نیابتی فرائض کی بجاآوری پر لگا سکیں۔

روحانی طبیب کا معاملہ بالکل جسمانی طبیب جیسا ہے کہ اس کے پاس ایک ہی مرض کے دو مریض آتے ہیں۔ ایک کے لئے وہ سرد اور گرم غذا تجویز کرتا ہے اور دوسرے کیلئے اس کے برعکس مقصد ایک ہے "طبیعت میں قوت مدافعت پیدا کر کے مرض دفع کرنا" لیکن مزاج کے اختلاف کی بناء پر دوا اور غذا کی تجویز میں اختلاف ہے۔ قائدین کی صلاحیت کیلئے قرآن حکیم میں دو لفظ نہایت موزوں آئے ہیں۔ (۱) حکمت (۲) تاویل الاحادیث۔

تقریباً سبھی انبیاء علیہم السلام کے تذکرہ میں حکمت کا ذکر ملتا ہے اور درج ذیل آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حکمت دوسرے انسانوں کو بھی عطا ہوتی ہے۔

یوتی الحکمة من یشاء و من یوتی الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا (سورة البقرة آیت۲۶۹)

اللہ جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت کی دولت مل گئی تو سمجھیں کہ بڑی دولت مل گئی۔

امام راغب اصفہانی حکمت کی تعریف میں کہتے ہیں

"علم اور عقل کے ذریعہ سچی اور صحیح بات کو پہنچنا حکمت ہے"۔ (مفردات صفحہ ۱۳۶)

لسان العرب میں ہے

"افضل اور بہترین چیزوں کو بہترین علوم کے ذریعہ جاننا حکمت ہے"۔

www.rahimia.org

مفسرین کی تصریحات درج ذیل ہیں

(۱) "حکمت" ہر شے کو اس کے مناسب محل میں رکھنے کی صلاحیت۔

(۲) حقائق اشیاء کی معرفت۔

(۳) حق و باطل کے درمیان فیصلہ کی قوت۔

(۴) قول اور عمل میں درستی کو پہنچنا۔

(۵) وہ معارف و احکام جن سے نفوس انسانی کمال کو پہنچیں

(تفسیر خازن ص۸۶، تفسیر مظہری ص ۴۷)

ان کے علاوہ بھی بہت سے معنی مفسرین سے منقول ہیں۔ مثلاً

(۶) انوار قلوب کی معرفت اور اسرار عیوب سے واقفیت۔ (۷) نفس اور شیطان کی دقیقہ رسی سے آگاہی۔ (۸) شیطانی اور انسانی تقاضوں میں امتیاز کی قوت۔ (۹) عقل کی رہنمائی اور قلب کی بصیرت۔ (۱۰) برائیوں کی صحیح نشاندہی کر کے علاج کی صحیح تدبیریں۔ (۱۱) مخلوق کے احوال کا علم۔ (۱۲) خاص قسم کی فراست (قیافہ شناسی وغیرہ۔

علامہ ابن مسکویہ نے حکمت کے تحت یہ چیزیں بیان کی ہیں۔

ذکاوت و ذہانت، سرعت فہم، قوت فہم، ذہن کی صفائی، عقل کی رسائی، کسی چیز کو آسانی سے سیکھ لینا۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ "انہیں چیزوں کے ذریعہ حکمت کی حسن استعداد پیدا ہوتی ہے" (تہذیب الاخلاق ص۸)

حاصل یہ ہے کہ حکمت ایسی قوت کا نام ہے کہ اس کے ذریعہ حقائق کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور ہر گوشے کو مناسب محل و مقام میں رکھنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ حکمت حاصل ہونے کے بعد انسان کی توجہ اخلاق انسانی کی تہذیب پر مرکوز ہوجاتی ہے اور ساری جدوجہد انسان کا اصلی مقام واپس دلانے میں صرف ہونے لگتی ہے۔

تاویل الاحدیث کا تذکرہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ذیل میں آتا ہے۔

و یعلمک من تاویل الاحادیث (سورہ یوسف آیت۶)

(ترجمہ) اور تیرا رب یہ سکھلانے والا ہے کہ باتوں کا مطلب اور نتیجہ کیونکر ٹھہرایا

قرآن حکیم میں دوسرے مقام پر بھی "تاویل" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنی "شے کو اصل کی طرف رجوع کرنا اور اصل مقصد کی طرف لوٹانا ہے" (مفردات)

زجاج نے "تاویل الاحادیث" کا مطلب بیان کیا ہے۔
"اقوال انبیاء کے مصداق کو جاننا اور اقوام کے حالات کے انجام کو سمجھنا اور نازل ہونے والی کتابوں کے مفہوم و مطالب تک پہنچنا" (تفسیر خازن)

ابن زید نے اس سے علم و حکمت مراد لیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ علم و بصیرت کی ایسی قوت عطا ہو کہ انسان معاملہ کی تہہ تک پہنچ جائے۔ بات کے مطلب اور مآل (مقصد) کو پالے امور اور مہمات (اہم چیزوں) کے بھیدوں کا روشناس (واقف) بن جائے غرض کہ ہر الجھی ہوئی گتھی کو اس طرح سلجھا دے کہ ساری باتوں کا کل درست ہوجائے۔ درج ذیل آیت میں صراحتاً قیادت کی صلاحیت بیان ہوئی ہے۔

و زاده بسطة فی العلم و الجسم (سورة البقرة آیت ۲۴۷)

(ترجمہ) اللہ نے علم اور جسم دونوں میں طالوت کو وسعت دی۔

جو لوگ مال و دولت کی وسعت اور خاندانی شرافت میں قیادت کی صلاحیت سمجھتے تھے آیت میں اللہ نے اس کی تردید فرمائی اور اس کے لئے دو چیزیں ضروری قرار دیں۔
(۱) علم کی قوت اور (۲) جسم کی قوت (دماغی و جسمانی قابلیت)

علم سے کوئی خاص قسم کا اصطلاحی علم مراد نہیں ہے بلکہ کام اور مقام کی مناسبت سے ذہانت و فراست اور فہم و تدبر وغیرہ کی استعداد مراد ہے۔ اسی معنی میں بعض انبیاء کو ابتداء ہی سے علیم کے خطاب سے نوازا گیا تھا، حالانکہ علم و وحی الہی کا سلسلہ نبوت کے عالی مقام پر فائز ہونے کے بعد شروع ہوا تھا۔ ایسے ہی جسم سے اس کی لمبائی چوڑائی مقصود نہیں ہے بلکہ صورت و سیرت کا اعتدال اور اندرونی قوی (نظام)

www.rahimia.org

کی پختگی و مضبوطی مراد ہے۔ فرائض قیادت کی انجام دہی میں ان دونوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ کردار کی بلندی کے ساتھ انسان کی ظاہری صورت کا پر کشش ہونا بڑی اہمیت رکھتا ہے اور اندرونی قوی کی پختگی کے بغیر تو کوئی مسند قیادت سنبھالنے کا اہل ہی نہیں قرار دیا جاتا۔ امام فخرالدین رازی نے اسی بناء پر آیت میں علم و جسم دونوں سے حقیقی کمالات مراد لئے ہیں جو جوہر انسانی کو حاصل ہوتے ہیں اور انسانیت کو فروغ دیتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ص ۲۸)

فنائیت

فنائیت کا مطلب یہ ہے کہ قائدین جس نظریۂ حیات کی قوم کو دعوت دیں وہ ان کے دل و دماغ میں اس قدر رچ بس گیا ہو کہ اب کسی اور کی گنجائش نہ ہو اسی سے عشق ہو اور اسی کی نشر و اشاعت کو ہر شے سے زیادہ محبوب رکھتے ہوں۔ نہ کسی مصیبت کی انہیں پرواہ ہو اور نہ کوئی توقع اس راہ سے ہٹا سکتی ہو۔ انبیاء کرام کی زندگی فنائیت کے اونچے سے اونچے نمونہ کی مثال پیش کرتی ہے۔ خود داعیٔ انقلاب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک طرف ہر بڑی سے بڑی تکلیف کو انگیز (برداشت) کرتے ہیں اور دوسری طرف آپ سے ہر اونچی سے اونچی خواہش کی تکمیل کا وعدہ کیا جاتا ہے۔ اس کے باوجود آپ فرماتے ہیں کہ "اگر میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیا جائے جب بھی میرے پائے استقامت کو لغزش نہ آئے گی"۔

فنائیت کے چند اثرات

ذیل میں فنائیت کے چند اثرات ذکر کئے جاتے ہیں جو قائدین کی زندگی میں نمودار ہونے چاہئیں۔

(۱) ارادہ میں پختگی (خواہش اور ارادہ میں فرق ہے۔ ارادہ ایک فعال اور کارکن کیفیت و حالت کا نام ہے اور خواہش ایک انفعالی اور کارپذیر (اثر قبول کرنے والی)

www.rahimia.org

حیثیت ہے۔ (مقالہ افادیت از جان اسٹوارٹ مل) ارادہ کے لئے عمل شرط ہے بلکہ ارادہ کی انتہا عمل کی ابتداء ہوتی ہے۔ (فلسفہ نفس ص ۸۶) علماء اخلاق کی رائے ہے کہ انسان کا مستقبل وراثت اور ماحول سے کہیں زیادہ اس کے ارادہ پر موقوف ہے۔ ارادہ کے مختلف درجے ہیں کسی کا فطرۃ قوی ہوتا ہے کسی کا کمزور اور کسی کا متوسط درجہ کا جسم کی طرح ارادہ بھی تربیت کے ذریعہ کمزور سے ایک حد تک قوی اور قوی سے قوی تر بنایا جاسکتا ہے لیکن اس تربیت کیلئے بہترین زمانہ بچپن کا زمانہ ہے ترقی یافتہ ممالک میں کچھ لوگ تیسرے چوتھے برس سے ہی بچہ کی حتی المقدور ایسی تربیت شروع کردیتے ہیں) (۲) عزم میں مضبوطی (۳) مقصد کے ساتھ والہانہ شغف (۴) مجسمہ ایثار و قربانی (۵) ذاتی حیثیت ختم کرکے ساری جدوجہد اور قوت کا مصرف نفع عام (اجتماعی مفاد) (۶) خلوص و بے غرضی (۷) اقتدار، عزت، شہرت، مال و جائداد کی ہوس غرض کسی فائدہ کا سامنے نہ ہونا۔

قرآن حکیم میں جتنے انبیاء کا تذکرہ ہے تقریباً سب نے بے غرضی اور قوم سے کسی قسم کی ذاتی فائدہ کی توقع نہ رکھنے کا اعلان کیا ہے چنانچہ ہر نبی نے اپنی قوم سے کہا

و ما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العلمین (سورۃ الشعراء آیت۱۰۹)

(ترجمہ) میں اپنی خدمتوں کا معاوضہ تم سے نہیں چاہتا میری مزدوری اللہ کے ذمہ ہے۔

یعنی میری حیثیت تاجر (سیاسی لیڈر) کی نہیں ہے۔ کہ توقعات قوم سے وابستہ رکھوں بلکہ داعی و قائد کی ہے کہ سارا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔

ممکن ہے قائدین کی یہ حیثیت ان فلسفیوں کی سمجھ میں نہ آئے جنہوں نے انسان کو بالطبع خودغرض قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ "انسان کے سارے کام نفع ذات کے لئے ہوتے ہیں حتی کہ ماں باپ کی محبت بھی خود غرضی سے خالی نہیں ہوتی ہے" لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ جو کچھ انہوں نے کہا وہ فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔ اور ان کی تحقیقات پر انسانی دنیا کے سارے مسائل ختم ہوگئے ہیں۔ اب مزید تحقیق کی کوئی گنجائش نہیں باقی ہے؟ اگر ہم فلسفیوں کی اس تحقیق کو تسلیم کریں

www.rahimia.org

جب بھی کوئی دشواری پیش نہیں آتی ہے کیونکہ قائدین کے پیش نظر مادی و دنیوی غرض نہیں ہوتی ہے۔ حقیقی غرض (اللہ کی رضا و محبت) بدرجہ اتم موجود ہوتی ہے۔ قرآن حکیم نے اسی کو "وجہ اللہ" "سبیل اللہ" "مرضات اللہ" سے تعبیر کیا ہے۔

نہایت اہم اثر

قائدین کی زندگی میں فنائیت کا ایک اور اثر ظاہر ہوتا ہے جو نہایت اہم ہے اور غالباً فلسفیوں کی رسائی وہاں تک نہیں ہوسکی ہے وہ یہ کہ اس راہ کی تکلیفیں اور مصیبتیں بڑھتی جاتی ہیں اسی قدر دل کی خوشحالی میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

ذیل کی حدیث میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

والذی نفسی بیدہ لوددت انی اقتل فی سبیل اللّٰہ ثم احیے ثم اقتل ثم احیے ثم اقتل ثم احیے ثم اقتل (صحیح بخاری)

(ترجمہ) اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں یہ پسند کرتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ ہوں اور قتل کیا جاؤں پھر زندہ ہوں اور قتل کیا جاؤں۔

مسرت اور خوشی انسانی جبلت میں داخل ہے چنانچہ فلسفیوں کے نزدیک انسان کسی ایسی چیز کی خواہش ہی نہیں کرتا جو مسرت کا جزیا اس کے حاصل ہونے کا ذریعہ نہ ہو۔ (مقالہ اجادیت ص ۱۶، ۴۹ از جان اسٹوارٹ مل)۔ یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ قائدین کو مسرت کن چیزوں سے حاصل ہوتی ہے؟ سامان مسرت کس قسم کے ہیں؟

عملیت

عملیت یہ ہے کہ نظریۂ حیات کو بروئے کار لانے کیلئے قائدین سرتاپا عمل بن جائیں ان کے سامنے راہ کی مشکلات اور رکاوٹیں اس لئے نہ ہوں کہ پائے استقلال کو لغزش آجائے اور اٹھا ہوا قدم رک جائے بلکہ اس لئے ہوں کہ وہ ان کے ذریعہ کام کی

www.rahmia.org

رفتار اور تیز کر سکیں۔

قائدین اور مفکرین کے کاموں میں فرق ہے قائدین کا کام خیالات و افکار پیدا کر کے انہیں بروئے کار لانے کیلئے سرتاپا عمل بن جاتا ہے اور مفکرین کا کام صرف خیالات و افکار کا پیدا کر دینا ہے، قائدین کا فرض یہ ہے کہ نظریہ حیات کے پھیلانے اور دنیا سے منوانے میں اپنی پوری قوت صرف کر دیں اور مفکرین کا فرض یہ ہے کہ وہ خود سمجھ لیں اور زیادہ سے زیادہ دوسروں تک پہنچا دیں یہ واقعی بات ہے کہ فکر و عمل میں جامعیت کی مثالیں خال خال ہی نظر آتی ہیں۔ اسی بنا پر ماہرین اجتماعیت کا خیال ہے کہ

"لیڈر عموماً ایسے افراد نکلتے ہیں جن کے اعصاب مریض، قوائے عقلی مختل اور جنون کے قریب ہوتے ہیں۔ اعصاب کی بے حسی، ان کے جذبات کو مردہ کر دیتی ہے اور قوائے عقلی میں خلل انہیں غور و فکر کی اجازت نہیں دیتا" (روح الاجتماع ص ۱۳۸)

لیڈروں کی اس کمزوری سے انکار نہیں ہے البتہ قائدین میں دونوں قوتوں کا ثبوت انبیاء کرام کی زندگی سے ہمیں ملتا ہے یہ حضرات اگر ایک طرف دماغی لحاظ سے تنے زیادہ بلند تھے کہ اپنی نظیر نہ رکھتے تھے تو دوسری طرف عمل کے ہر میدان میں بھی پیش پیش دکھائی دیتے تھے۔

قرآن حکیم اور انبیاء کرام کی زندگی سے عملیت کا ثبوت

جن ماہرین اجتماعیت کا خیال ہے کہ ذہن و ذکاوت اور فہم و فراست میں انبیاء علیہم السلام ممتاز نہ تھے صرف مضبوط عزم کی بنیاد پر دنیا ان کے آگے جھکی ہے۔ انہوں نے ان کی زندگی کے صرف ایک رخ کا مطالعہ کیا ہے اس میں شک نہیں کہ مضبوط عزم پہاڑ جیسی طاقت کو ہٹا سکتا ہے۔ نمرود و فرعون جیسی سرکش گردن کو موڑ سکتا ہے لیکن کسی انقلاب کو بقا اور دوام کی سعادت سے بہرہ یاب نہیں کر سکتا ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ انقلاب کے رگ و ریشہ میں فہم و فراست پیوست کی گئی ہو۔ آج جو ان کے مذہب کو بقا و دوام کی سعادت حاصل ہے اس کی وجہ صرف ان کا فہم و تدبر ہے جو منجانب اللہ انہیں عطا ہوا تھا ورنہ نہ معلوم مضبوط عزم کی بنا پر دنیا میں کتنے

www.rahimia.org

انقلاب آئے اور ختم ہو کر رہ گئے۔

عملیت کا ثبوت ان آیتوں میں ہے:

الذین یبلغون رسلت اللہ و یخشونہ و لایخشون احدا الا اللہ. (سورۃ الاحزاب آیت۳۹)

(ترجمہ) جو لوگ اللہ کے پیغاموں کو پہنچاتے ہیں وہ صرف اللہ سے ڈرتے ہیں اس کے سوا کسی اور سے نہیں ڈرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے دھڑک پیغام ربانی پہنچانے کا حکم دیا گیا تھا۔

یایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک و ان لم تفعل فما بلغت رسلتہ (سورۃ المائدہ آیت۶۷)

(ترجمہ) اے پیغمبر آپ کے رب کے پاس سے جو کچھ اترا ہے اسے آپ پہنچا دیجئے اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو پیغام پہنچانے کا فرض ادا نہ کیا۔

بد قسمتی سے انبیاء کرام کی اتباع و پیروی کے نام پر زیادہ تر وہی باتیں باقی رہ گئی ہیں جن سے جذبات اور ہوا و ہوس کی تسکین ہوتی ہے اس وجہ سے ان کی حقیقی زندگی ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئی ہے ورنہ کوئی موڑ کوئی موقف اور کام کا کوئی میدان ایسا نہیں ہے جس میں یہ موجود نہ رہے ہوں اس کے علاوہ آج ہماری زندگی کچھ اس طرح تقسیم ہو گئی ہے کہ انسان کسی کے بارے میں سوائے ایک حالت کے دوسری حالت کے متعلق خیال ہی نہیں کرسکتا ہے اس لئے جب بھی ان بزرگوں کی عملی زندگی کا تذکرہ آتا ہے تو ہمارے تنگ دماغ اور کوتاہ نظریں ان کو اصلی شکل میں دیکھنے اور سمجھنے سے قاصر رہتی ہیں۔

اخلاقیت

اخلاق میں تسخیر قلوب کی صلاحیت ہوتی ہے اس لئے قائدین کی اخلاقی زندگی

www.rahimia.org

اتنی منظم اور بلند ہونی چاہیئے کہ کسی کو کسی گوشہ میں اس لحاظ سے لب کشائی کا موقع نہ ملے۔ عالی حوصلگی، فراخدلی، اولو العزمی، بلند ظرفی، مستقل مزاجی وغیرہ صفتیں انکی زندگی میں نمایاں ہوں۔ دیانت داری، امانت شعاری، حق پرستی، حق گوئی وغیرہ صفتوں کے وہ خوگر ہوں۔ ان کی سخاوت سے سب مستفیض ہوسکیں۔ شفقت و رافت (رحمدلی) میں کسی کی خصوصیت نہ ہو۔ تواضع اس طرح کہ ہر ایک کو اپنی گود میں لینے کیلئے تیار ہو۔ سموائی (وسعت) اس قدر ہو کہ ہر مکتب خیال کے لوگوں میں اس قدر مشترک تلاش کرکے اپنا کام نکال لیں۔ اور ہر ایک کے مقام و حیثیت کو تسلیم کرکے اپنی بات منوالیں۔

غرض بحیثیت مجموعی ہمہ قسم کے اخلاق ان میں موجود ہوں (۱) وہ بھی جن کا تعلق ادارک سے ہے۔ (۲) وہ بھی جن کا تعلق جذبات سے ہے۔ (۳) اور وہ بھی جن کا تعلق ارادے سے ہے۔

انبیاء کرام کے اخلاق

انبیاء کرام کی اخلاقی زندگی اتنی بلند تھی کہ وہ بجائے خود معجزہ اور نبوت کی بڑی دلیل تھی۔

قرآن حکیم میں ہے

فبما رحمة من الله لنت لهم و لوكنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك (سورة آل عمران آیت۱۵۹)

(ترجمہ) اے پیغمبر یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ آپ لوگوں کیلئے نرم دل واقع ہوئے ہیں۔ اگر سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔

دنیا جانتی ہے کہ مکہ والوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو تکلیفیں پہنچانے اور آپ کے مشن کو ناکام بنانے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا تھا اس کے باوجود جب آپ مدینہ تشریف لائے اور مکہ کے دشمن قحط میں مبتلا ہوئے تو حسب ذیل طریقوں پر ان کی مدد فرما کر انتہائی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیا۔

www.rahimia.org

(۱) یمامہ سے جو رسد جاتی تھی حسب سابق اس کو جاری کردیا۔

(۲) غرباء وفقراء کی امداد کے لئے پانچ سو اشرفیاں روانہ کیں۔

(۳) ضرورت کے مختلف سامان کھجور وغیرہ ابوسفیان کو بھیج کر اس کے معاوضہ میں جانوروں کی کھالیں طلب کیں۔ تاکہ درآمد و برآمد کا صحیح توازن قائم رہ سکے۔ (اسلام کا زرعی نظام ص ۸۲)

قرآن حکیم میں حضرت یوسف علیہ السلام کی سیرت کا مرقع تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں دراصل سیرت و کردار کی فضیلت اور اس کی اٹل کامرانیاں بتانا مقصود ہے۔ نیز یہ حقیقت کہ انسان کی سب سے بڑی قوت اس کے سیرت کی فضیلت ہے اور قلوب کے مسخر کرنے کی اس میں زیادہ صلاحیت ہے۔

ذیل کی آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قائدین کو ہر وقت جذبات پر قابو رکھنا چاہیئے مصیبتوں کے کتنے ہی پہاڑ ٹوٹیں مخالفتوں کی کیسی ہی آندھیاں چلیں نہ تو وہ مایوس ہوں اور نہ دل میں طلب بھلائی کے سوا کسی اور جذبہ کو جگہ دیں۔

لیس لک من الامر شیٔ او یتوب علیھم او یعذبھم فانھم ظلمون (سورۃ ال عمران آیت۱۲۸)

(ترجمہ) اے پیغمبر آپ کو دشمنوں کے معاملہ میں کوئی دخل نہیں ہے آپ کا کام راہ حق کی دعوت دینا ہے۔ اللہ چاہے تو ان سے درگذر کرے اور چاہے تو عذاب دے عذاب اس لئے کہ وہ ظالم ہیں۔

یہ اس صورت کی بات ہے کہ دشمنوں نے جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دانت توڑ دیئے تھے۔ چہرہ و سر کو زخمی کردیا تھا اور شہید کردینے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ اتفاقاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پر یہ الفاظ آگئے "وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کے چہرہ کو لہولہان کیا" بات کوئی قابل اعتراض نہ تھی صرف حقیقت حال کا اظہار تھا۔ لیکن یہ اظہار ایسے حادثہ کے بعد تھا جو خود رسول اللہ کی ذات ستودہ صفات کو پیش آیا تھا۔ جس میں ذاتیات کی آمیزش کا شبہہ تھا اس بنا پر ایک خاص انداز میں تادیب کی گئی تھی اس سے پتہ چلتا ہے قائدین کو اپنی ذاتی حیثیت کس

قدر ختم کرنی پڑتی ہے؟ اور مخلوق کے لئے وہ کس قدر وقف ہوتے ہیں۔

قوت استدلال و بیان

قائدین میں ادائیگی و بیان کی ایسی قوت ہونی چاہیئے کہ اپنے خیالات کو اپنے زمانہ کی اصطلاح و زبان کے مطابق موئثر انداز میں مخاطب کی طرف منتقل کر سکیں۔

ہر زمانہ میں خیالات کی ادائیگی، طرز گفتار، اسلوب تحریر اور طریقہ استدلال و غیرہ میں فرق ہوتا ہے۔ سب مخاطب بھی یکساں نہیں ہوتے ہیں۔ اس لئے تحریر و گفتگو کو موئثر بنانے کے لئے تمام حیثیتوں کی رعایت ضروری قرار دی جاتی ہے۔

انداز بیان اور طریق اظہار اگر حالات و نفسیات کے مطالعہ کے ساتھ ہو تو وہ اپنے اندر جادو جیسا اثر رکھتے ہیں۔ (بعض بیان جادو جیسی تاثیر رکھتے ہیں)

موقع اور محل کے لحاظ سے اس کی چند صورتیں ہیں۔

(۱) کبھی حاکمانہ انداز اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ (۲) کبھی حکیمانہ انداز سے کام چلتا ہے۔ (۳) کبھی تاکید سے کام نکلتا ہے۔ (۴) اکثر تکرار کی ضرورت پڑتی ہے۔ (۵) کبھی صرف دعوی کافی ہوتا ہے۔ (۶) کبھی دعوی کے ساتھ دلیل لازمی بن جاتی ہے۔ (۷) کبھی غیر شعوری طور پر دوسرے کی طرف اثر منتقل کرنے کی کوشش ہوتی ہے۔ بہر حال یہ ایک مستقل فن ہے۔ جس کے لئے نفسیات و مزاج کا سمجھنا اور موقع و محل کی نزاکت سے واقف ہونا بہت ضروری ہے۔

قرآن حکیم و انبیاء کرام کی زندگی سے ثبوت

انبیاء کرام کی زندگی میں مذکورہ تمام باتوں کی مثالیں موجود ہیں۔ البتہ اس نظر سے مطالعہ کی ضرورت ہے۔ موسی علیہ السلام نے قوت استدلال و بیان کے لئے اس طرح دعا کی تھی۔

و احلل عقدة من لسانی یفقهوا قولی (سورة طه آیت ۲۷، ۲۸)

(ترجمہ) اے اللہ میری زبان کی گرہ کو کھول دے کہ میری بات لوگوں کے دلوں میں اتر جائے۔

قرائن سے یہ بات ثابت ہے کہ یہاں بیان کی وہی صلاحیت مراد ہے جو قیادت کے فرائض انجام دینے کے لئے درکار ہوتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کو دعوت پہنچانے میں جو طریقہ اختیار کیا تھا اس سے واضح ہوتا ہے کہ موقع کے لحاظ سے فہمائش کا جو طریقہ مناسب ہو وہی اختیار کیا جانے اور جہاں تک ہوسکے مشاہدات سے کام لیکر سادگی ملحوظ رکھی جائے۔

یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ قائدین کا مقصد مخاطب کو سمجھا دینا ہوتا ہے جس طرح بھی ہو مخاطب کو دلیلوں کے الجھاؤ میں پھنسانا یا کسی خاص دلیل پر اڑ کر بولتے ناطقہ بند کردینا قیادت و دعوت کی راہ کے خلاف ہے۔

قیادت و دعوت کی راہ کے چند بنیادی اصول

ذیل میں ہم چند اصول ذکر کرتے ہیں جن پر عمل درآمد کرنا قائدین کے لئے ضروری قرار دیا جاتا ہے۔

(۱) ابتداء میں قوم کو صرف انہی باتوں کی دعوت دی جائے جو بنیادی ہوں۔ قرآن حکیم میں ہر نبی کی دعوت میں مثبت و منفی کے دو بنیادی پہلو ذکر کئے گئے ہیں۔

ان اعبدوا اللّٰہ، و اجتنبوا الطاغوت (سورۃ النحل آیت۳۶)

اے لوگو تم اللہ کی عبادت کرو، اور طاغوت (غیر اللہ طاقتیں) سے پرہیز کرو۔

(۲) حتی الامکان ہر ایک کے مقام اور حیثیت کی تصدیق کرکے مشترکہ اقدار پر جمع کرنے کی کوشش ہو۔ ہر نبی نے دوسرے نبیوں کی تصدیق کی ہے اور ابتداء میں قوم کو قدر مشترک پر جمع ہوجانے کی دعوت دی ہے۔ جیسا کہ آیتوں سے ظاہر ہے

(۳) بڑی چیز کی خاطر چھوٹی چھوٹی چیزوں کو قربان کردینا چاہیئے۔

www.rahimia.org

(۴) تالیف قلب کا حتی الامکان خیال رکھنا چاہیے۔

(۵) کسی ایسی چیز سے تعرض نہ کرنا چاہیے جو زیادہ اہم نہ ہو لیکن قومی رغبت کی بنا پر اس کی وجہ سے نفرت کا اندیشہ ہو۔

علامہ نووی شارح مسلم نے مذکورہ اصول رسول اللہ ﷺ کے درج ذیل طرز عمل سے اخذ کئے ہیں۔

"حطیم" خانہ کعبہ کا ایک حصہ تھا اور کعبہ سے علیحدہ تھا، اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے اس کو کعبہ کے ساتھ شامل کرنے کا حکم نہیں دیا اور اس کی وجہ یہ فرمائی

لولاحدثة عهد قومك بالله لنقضت الكعبة و لجعلتها على اساس ابراهيم (صحيح مسلم ج۱ ص۴۲۹)

(ترجمہ) اگر تیری قوم نئی نئی کفر سے اسلام کی طرف نہ آئی ہوتی تو میں کعبہ توڑ کر اساس ابراہیم پر اس کی تعمیر کراتا (اور حطیم اس میں شامل کرتا)

(۶) ان باتوں سے اعراض و چشم پوشی کی جائے جو عوام میں انتشار و افتراق کا باعث بنیں یا ان کی وجہ سے سماجی زندگی میں خلل آنے کا اندیشہ ہو ظاہر ہے کہ کسی قوم کے رسم و رواج جو صدیوں سے چلے آرہے ہوں وہ دفعتاً نہیں مٹائے جاسکتے ہیں بلکہ رفتہ رفتہ اصلاحی قدم اٹھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً غلامی اسلامی روح اور مزاج کے خلاف ہے۔ جن لوگوں نے تحقیق و بصیرت کی روشنی میں اسلامی معاشرہ کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ اسلام ایک لمحہ کے واسطے بھی غلامی کو برداشت نہیں کرسکتا ہے اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے منسوخی کا حکم نہیں صادر فرمایا اگر آپ ایسا کردیتے تو سماجی زندگی مختل ہوجاتی۔ اور انسانوں کا ایک بڑا طبقہ کیڑے مکوڑوں کی طرح زندگی گذارنے پر مجبور ہوجاتا نہ کھانے پینے کا کوئی بندوبست رہتا اور نہ رہنے سہنے کا البتہ آپ نے اس رسم کے دور کرنے کی آہستہ آہستہ کوشش کی۔ چنانچہ اس کی متفرق تدبیریں بتائیں اور مختلف صورتیں پیدا کیں نیز سوسائٹی میں انہیں اتنا اونچا مقام دلایا کہ غلامی آقائی میں تبدیل ہوگئی۔

آپ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی رسول اللہ ﷺ کی کوشش کو آخری حد

www.rahimia.org

تک لیجانے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا لیکن پھر اس تعلیم کی غایت کو نظر انداز کردیا گیا۔ اور سلطنتوں نے بعض دیگر باتوں کی طرح غلامی کو بھی قائم رکھا۔ اگرچہ اس کی نوعیت میں کافی تبدیلی ہوگئی۔

اصل یہ ہے کہ کسی فکری و عملی نظام پر تحقیقی نظر ڈالنے کیلئے مقامی و عہدی (عنصری) حالات کا جائزہ لینا نہایت ضروری ہے۔ آج کے دماغ اور آج کی فضا کو سامنے رکھ کر ہزاروں سال پہلے کے اجتماعی اور سماجی اصلاحی مسائل پر تنقیدیں شروع کردی جاتی ہیں نہ اس وقت کے حالات کا پتہ ہوتا ہے اور نہ مزاج کا ایسی حالت میں صحیح نتیجہ تک پہنچنا ظاہر ہے (یعنی ممکن نہیں)

(۷) جہاں ابتداء میں قائدین کیلئے مذکورہ اصول کی رعایت کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے وہاں حالات کی مناسبت سے انہیں سخت قسم کی پابندی عائد کرنے کا اختیار بھی حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً عارضی طور پر قوم کو ان مباح اور جائز باتوں سے بھی روک سکتے ہیں جن کے استعمال سے برائی تک پہنچنے کا اندیشہ ہو یا غلط استعمال کی وجہ سے وہ برائی کا ذریعہ بن گئی ہوں اگرچہ ان کی ذات میں کوئی برائی نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ مصلحت کی وجہ سے شراب کے برتنوں کے استعمال سے روک دیا تھا۔ اور عورتوں کو زیارت قبور سے منع فرمادیا تھا۔ پھر بعد میں اجازت دے دی تھی۔ اسی طرح یہودیوں کے ظلم و زیادتی کی وجہ سے وہ چیزیں ان کے لئے حرام کردی گئی تھیں جو پہلے حلال تھیں۔

قرآن حکیم میں ہے:

فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم طیبت احلت لھم و بصدھم عن سبیل اللّٰہ کثیرا (سورۃ المائدہ آیت۔ ۱۶۰)

(ترجمہ) یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے کئی ایک چیزیں ان پر حرام کردیں جو (پہلے) ان کے لئے حلال تھیں اور نیز اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہت روکنے لگے تھے۔

غرضیکہ طریق کار کے انتخاب میں بہت حد تک گنجائش رکھی گئی ہے اور قائدین کے صوابدید پر معاملہ چھوڑا گیا ہے۔

www.rahimia.org